© rasailojaraid.com

عالم اسلام کی بے حسی اور مسلمان ملکوں کے نظام تعلیم کا انحطاط

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

بَدَأَ الاِسلَامُ غَرِیباً وَسَیَعُودُ کَمَا بَدَأَ فَطُوبیٰ لِلغُرَبَاءِ (مسلم عن أبی ھریرۃ)

یہ صحیح مسلم شریف کی ایک صحیح حدیث ہے کہ اسلام کا ابتدائی دور غربت کا ہوگا اور آخری دور بھی غربت کا ہوگا جو لوگ اسلام کی غربت کے باوجود اسلام پر قائم رہیں گے وہ خوش قسمت ہیں۔ عربی زبان میں "غریب" کے معنی مسافر کے ہیں جس کا کوئی پُرسان حال نہ ہو۔ کوئی اجنبی مسافر جب کسی ملک میں جاتا ہے تو لوگ اس کو تعجب سے دیکھتے ہیں، نہ اس کا کوئی ہمدرد ہوتا ہے نہ غمگسار، نہ کوئی پرسان حال، تاریخ اسلام میں ابتدائی دور کے حالات و واقعات تو پڑھے ہوں گے۔ حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سُمیہ، حضرت ابوفکیہہ، حضرت خباب بن الارت وغیرہ رضی اللہ عنھم کی دردناک داستانیں تو زبان زد خلائق ہیں آپ نے بھی سُنی ہوں یا پڑھی ہوں گی، یہ ہے غریب الدیار اسلام کا دور غربت، اگر غور فرمائیں تو زیادہ تر عقیدے کا دور تھا۔ تمدن و معیشت کا نہ تھا، پوشاک و خوراک کا نہ تھا۔ رنگ و صورت کا نہ تھا۔ صرف ایک عقیدۂ توحید کا دور تھا اور اسی کی دعوت پر کہا جاتا تھا۔

"أَجَعَلَ الآلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔" "بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنادیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

حق تعالیٰ کی توحید اور ذات و صفات و کمالات میں یکتائی کا عقیدہ مسلمانوں کا خصوصی وصف تھا، اسی وجہ سے "دین اسلام" کو ایک غریب الدیار مسافر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ لیکن آیئے اور اسلام کی آج کی غربت پر نظر ڈالیے، اس وقت تمام تر اسلام کا مدار صرف زبان پر ہے، زبان سے بیشک اسلام اور مسلمان کا نام لیا جاتا ہے لیکن نہ عقیدہ اسلام کا، نہ عمل مسلمانوں کا، نہ صورت مسلمانوں کی، نہ سیرت اسلام کی، نام "اسلامی مملکت" اور "المملکۃ الاسلامیۃ" اور قانون ہے رومن لا، کمیونزم یا سوشلزم، نام ہے اسلام کا، عمل ہے نیشنلزم کا، شراب خانے آباد ہیں، جوے اور قمار کے اڈے عروج پر ہیں، رقص و سرود کی محفلیں گرم ہیں۔ مرد وزن کے روح فرسا نیم عریاں مناظر قدم قدم پر سامنے ہیں۔ شراب خانوں کے اشتہارات ہیں، سینما اور تھیٹروں کے اشتہارات ہیں۔ اخبارات، دیواریں، بورڈ، ان اشتہارات سے پٹے پڑے ہیں۔ سگریٹ یا سگار منہ میں ہے، ننگا سر ہے یا سر پر ہیٹ لگا ہے، گردن میں ٹائی بندھی ہے...... جو در حقیقت عیسائیت کا امتیازی نشان اور صلیب کی علامت ہے...... ہیں کون؟ مسلمان! نت نئی دعوتوں کے نام ہیں، لنچ اور ڈنر میں کھڑے کھڑے اچھلتے کودتے کھا رہے ہیں، عجیب عجیب انداز سے بولیاں بول رہے ہیں اور قہقہے لگا رہے ہیں، سر سے پیر تک صورت سے سیرت تک صاحب بہادر بنے ہوئے ہیں، غرض کیا کیا ادائیں آج کے مسلمانوں کی شمار کی جائیں۔ اور سب سے زیادہ روح فرسا طرز عمل یہ ہے کہ تھیٹروں کے اسٹیج پر، فلموں کے دوش بدوش میلاد النبی کے جلسے ہیں، حج اور زیارت کی فلمیں ہیں۔ غزوہ بدر کے ڈرامے ہیں، تھوڑی بہت جو کسر باقی تھی وہ ٹیلی ویژن نے پوری کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور ان سب سے جانکاہ صورت یہ ہے کہ اسلام اور دین اسلام کے ساتھ یہ مضحکہ خیز اور شر انگیز حرکات عین اسلام اور خدمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام ہیں، عبادت و طاعت سمجھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس پُر فریب صورت حال نے اور ان شیطانی وطاغوتی کارناموں نے پردہ پوش عورتوں کو، شریف زادیوں کو، پابند شرم وحیا لڑکیوں کو بھی زاویہ عفت و عصمت سے نکال کر فسق وفجور کے ان حیا سوز مرکزوں میں پہنچادیا۔ "فیاغربة الاسلام" قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ ہر کافرانہ عقیدے کے اظہار اور اشاعت کی آزادی ہے جو جس کو چاہے کافر بنادے، مرتد بنادے، کوئی پرسان حال نہیں، محاسبہ نہیں، کوئی جرم نہیں، سادہ لوح مسلمان اور عیسائی مشنریاں، بھیڑوں میں بھیڑیوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے کہ جو چاہے کریں نہ اسلامی حمیت ہے، نہ اسلامی غیرت ہے۔ سب سے بڑی صدمے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہورہا ہے آہ "دین اسلام" سر سے پیر تک غریب ہی غریب ہے، کسمپرسی کی حالت میں کراہ رہا ہے، نہ کوئی تیمار دار ہے نہ کوئی غم خوار۔

اگر آج کوئی صحابی زندہ ہو جائے اور ہمارے اسلامی ملکوں کا یہ نقشہ دیکھے، کیا وہ باور کر سکے گا کہ یہ اسلامی مملکت ہے اور یہ اس کے مسلمان باشندے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں بڑی حسرت سے فرمایا کرتے تھے:

"والذی لا اله الاهو ما أذكُرُ مَاغَبَرَمِنَ الدّنيَا الاّ كالثَغْبِ شُرِبَ صَفوُهُ وَبَقِى كَدَرُهَ۔"

"خدا کی قسم میں کیا کہوں کہ یہ دنیا کیا رہ گئی ہے اس کی مثال اس حوض کی ہے جس کا نتھرا اور صاف پانی تو پی لیا گیا ہو اور گدلا و گندا پانی باقی رہ گیا ہو"۔

یہ خلافت راشدہ کا دور ہے اس زمانہ کی بات فرمارہے ہیں، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے وفات پاچکے ہیں اگر آج کے دور کو دیکھیں، تو آپ ہی سوچیے کیا کہیں گے؟ حضرت ابن عمر ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے تشریف لے گئے، اذان کے بعد مؤذن نے اتفاق سے دوبارہ نماز کا اعلان کر دیا چونکہ حدیث میں اذان کے بعد دوسرا نماز کا اعلان ثابت نہیں، ناراض ہو کر فوراً مسجد سے نکلے اور اپنے ساتھی مجاہد سے فرمایا: "أخرج بنَا مِن عِندِهٰذا المبتدع" "چلو اس بدعتی کے یہاں سے نکلو۔" آج کوئی صحابی ان ممالک اسلامیہ میں آنکلیں، وہ اسلام کا نقشہ دیکھ کر کیا فیصلہ فرمائیں گے؟

یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ جل وعلیٰ کا آخری پیغام جس طرح قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ جل جلالہ کی محبت تمام مخلوقات پر پوری ہو رہی ہے اور اسلام کی علمی سرمایہ کی حفاظت کی گئی ہے ٹھیک اسی طرح سے عملی اسلام کے خدوخال بھی آج محفوظ ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ اُمت محمدیہ کی کسی ایک جماعت کو حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا رہتا ہے تاکہ عملی نقشہ بھی سامنے رہے چنانچہ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں بروایت حضرت امیر معاویہ صاف اعلان فرمایا گیا ہے: "لاتزال طائفة من أُمتی ظاهرين على الحق لا يضّرهم من خالفهم من خذلهم حتی يأتی امرالله وهم على ذلك او كما قال۔" "یعنی قیامت تک ایک جماعت ہمیشہ حق پر عمل کرنے والی موجود رہے گی مخالفین ودشمنان اسلام کی تدبیروں سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچ سکے گا۔ بہر حال یہ جو کچھ بھی ہے صرف شخصی اسلامی زندگی کا نقشہ ہے، افراد امت میں ہمیشہ ایسے ملیں گے، لیکن جہاں تک تعلق پورے معاشرے اور مسلمان حکومتوں کا ہے، افسوس کہ ان میں تمام اسلامی آثار ونشانات مٹتے جارہے ہیں، مراکش والجزائر وتیونس سے لے کر انڈونیشیا تک تمام ممالک اسلامیہ میں اسلام کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی ہے۔ صحیح قانونِ اسلام ہر حکومت میں تقریباً ختم ہے۔ دو ملک البتہ ایسے ہیں جہاں کچھ کچھ آثار باقی ہیں مملکتہ عربیہ سعودیہ اور مملکت افغانستان اور کسی قدر مملکت لیبیا لیکن معاشرے کا حلیہ ان ممالک میں بھی بگڑتا جارہا ہے مغربی تمدن وتہذیب کا پنجہ اتنا شدید ہے کہ کوئی مملکت بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔

خیر ہمیں تو اپنے وطن اور اپنی مملکت کی فکر ہونی چاہیے، انتہائی افسوس ہے کہ جو توقعات تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دشمنان اسلام کی تدبیریں پوری طور پر کارگر ہوگئیں۔ صدمہ صرف اس کا ہے کہ یہ تمام تخریب اسلام کے نام پر کی جارہی ہے۔

تجربہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ حکومتوں کی اصلاح کے سیاسی راستے بیکار ہیں، انتخابات میں حصہ، جلسے، جلوس، مظاہرے، پروپیگنڈے، اخبارات کے ذریعہ اصلاح کی توقع، یہ سب حربے بے اثر اور بے نتیجہ ہیں، ان کے اثرات اگر ہوتے بھی ہیں تو دیرپا نہیں ہوتے۔ سطحی اور وقتی ہوتے ہیں، چند افراد اگر اسمبلی میں شدید جدوجہد کے بعد پہنچ بھی گئے تو نقارہ خانے میں طوطی کی آواز سے ان کی حیثیت زیادہ نہیں ہوتی، بارہا یہ تجربہ ہو چکا ہے۔ ع: "مَن جرّب المجرب حلّت به الندامة" (یعنی تجربہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہ کرنا ندامت کا باعث ہے) اب تو تمام تر مرکزِ توجہ عوام کی انفرادی اصلاح ہونی چاہیے، اس کے بعد معاشرے کی اصلاح پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، اگر عوام کی اصلاح ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر جمہور اُمت کے رجحانات صحیح ہوں گے تو اقتدار کے خواہاں اور کرسی کے خواہش مند مجبور ہوں گے کہ وہ طریقے اور لائحہ عمل اختیار کریں جس پر عوام سے خراج تحسین مل سکے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اسلام کے علمبرداروں کی پوری جدوجہد افراد اور معاشرے کی اصلاح کے رخ پر ہونی چاہیے، بلاشبہ راستہ طویل ہے، وقت زیادہ لگے گا لیکن اگر کوئی اُمید اصلاح کی ہو سکتی ہے تو اسی صورت میں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذرند و خم طرۂ یارے گیرند

اب ضرورت اس کی ہے کہ پرسکون طریقے پر دعوت الی اللہ کا پیغام ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا جائے اور بازاروں، دکانوں، دفتروں سے لے کر اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں تک اس کے دائرے کو وسیع بنا دیا جائے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔

آج کل سائنس کا بہت شور برپا ہے، ہر طرف سے سائنس اور علوم طبیعیہ کی صدائیں گونج رہی ہیں اور یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے کہ سائنسی علوم، تعلیم و تربیت کا ایک اہم جز ہیں اس کے بغیر ہر قسم کی تعلیم بے معنی ہے اور یہی باور کرایا جارہا ہے کہ تعلیمی نظام میں علمی سائنس اور عملی سائنس دونوں کی شدید ضرورت ہے اور جس طرح سابق اسلامی ادوار میں ریاضی اور ہیئت و فلکیات کے بڑے بڑے ماہر ہوئے ہیں اور طرح طرح کی فنی رصدگاہیں مسلمانوں نے بنائی ہیں، آج کیوں مسلمانوں کا دامن ان کمالات سے خالی ہو۔

اس طرح کے افکار و نظریات آج کل عام جرائد و مجلات کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جہاں تک علمی و عملی سائنس کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے انکار کرنا حماقت و جہالت ہے مگر اسی کے ساتھ سائنسی علوم کو ہر قسم کی تعلیم و تربیت کے لیے لازمی جز سمجھنا شاید اس کا بھی حماقت و جہالت سے کم درجہ نہ ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں، ایک وہ علوم جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے، یہ وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ بندے کا تعلق اپنے معبود، حق تعالیٰ شانہ سے قائم ہو اور حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق بندہ اس کی بندگی کر سکے۔ خیر و شر، حلال و حرام کی تمیز ممکن ہو۔ غرض عقیدہ صحیح ہو جائے اور عمل درست، عبادات و طاعات اور فرائض و واجبات سے ضروری واقفیت میسر آجائے۔ یہ علم چاہے زبانی تعلیم سے حاصل ہو یا والدین کی صحیح تربیت سے یا مکتب میں استاد کے ذریعے سے ہو، پھر چاہے مادری زبان میں ہو یا کسی اجنبی زبان میں، اسی کو حدیث میں "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" فرمایا گیا ہے۔ دوسرے علوم وہ ہیں جن کو فقہی زبان میں "فرض کفایہ" کہتے ہیں یعنی اگر اُمت کے چند اشخاص بھی اُن کو حاصل کر لیں تو بقیہ افراد کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے جیسے نماز جنازہ میں چند افراد کے نماز پڑھ لینے سے تمام مسلمانوں کے ذمہ سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کریم اور احادیث، فقہ، علم توحید و کلام وغیرہ کی تعلیم اور ان میں مہارت و بصیرت حاصل کرنا یہ فرض کفایہ ہے۔ بلاشبہ یہ فرض کفایہ بھی دین اسلام کا اہم شعبہ ہے اور اُمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامیہ میں اس کا باقی رکھنا فرض ہے۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل میں انہی علوم کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے:

"فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون "(توبۃ نمبر ۲۲)"جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو...... دین سے واقف کرائیں۔ آیت کریمہ کے کماحقہ تفسیری حقائق ولطائف بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔"

پھر ان علوم میں بھی بعض علم ایسے ہیں کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود کے حصول کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہیں جیسے صرف، نحو، معانی، بیان وغیرہ کہ ان علوم کے بغیر تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کو حاصل ہی نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ علوم عربیت مادری زبان کی حیثیت سے خود بخود حاصل تھے، اس لیے ان کو ان علوم کے سیکھنے کی ضرورت نہ تھی، روئے زمین کے عجمی (غیر عربی) مسلمانوں اور بعد کی نسلوں کو یہ بات میسر نہ تھی اس لیے ان کو ان علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہوا۔

اب رہے وہ علوم طبعیہ جن کو آج کل سائنس کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے مفہوم میں کچھ فرق ہے۔ بہر حال یہ وہ علوم ہیں جو عقل وادراک اور فنی تجربات کے ذریعہ وجود میں آتے ہیں عقل انسانی، نسل انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم عطیہ ہے۔ اسی عقل کے ذریعہ حق تعالیٰ کے علم اور قدرت کے رازہائے سربستہ، اس کائنات اور کارخانۂ قدرت میں ہر دور اور ہر زمانے میں جیسے جیسے وقت کے تقاضے ہوتے ہیں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور پھر انہی فکری اور نظری علوم کے ذریعہ ان کے اچھے برے اثرات ونتائج ظہور میں آتے رہتے ہیں، انہی علوم کا ثمرہ وہ تمام صنعتیں اور ایجادات ہیں جو نسل آدم کے کام آتی رہتی ہیں، اسی کا نام عملی سائنس ہے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو بآسانی واضح ہوگا کہ اصلی علوم وہی ہیں جو صرف وحی الہٰی کے ذریعہ اور انبیاء کرام کی تعلیمات کے واسطہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کے ادراک سے عقل انسانی نہ صرف قاصر ہے بلکہ عقل انسانی کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں۔ علوم وفنون کی اصطلاح میں ان کو ماوراء الادراک اور ماوراء العقل کہا جاتا ہے۔

اس لیے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا دائرہ تعلیم وتربیت انہی علوم الہٰیہ میں منحصر ہونا چاہیے جو عقل انسانی کی رسائی سے بالاتر ہیں۔ قرآن کریم اور تعلیمات نبویہ میں ان علوم طبعیہ وعقلیہ اور ان کے ذریعہ وجود میں آنے والے ایجادات واختراعات کی نہ تو تعلیم دی گئی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ کی گئی ہے نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل وادراک جیسی خود کفیل نعمت اور قوت اختراع جیسی خودکار طاقت انسان کو عطا فرمادی جو ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ووافی ہے تو پھر کسی مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ اسلامی تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ ہر دور میں عقل انسانی یہ خدمت انجام دیتی رہی ہے اور آج اس دور ترقی میں بھی جو کچھ نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے وہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔

اگر ہم ان گزشتہ اشارات اور گذارشات کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی دو قسم کی ضرورتیں تھیں۔ ایک دنیا کی اور ایک آخرت کی۔ یا یوں کہیے ایک روح کی اور ایک جسد کی، علوم الہٰیہ ربانیہ کے وہ سرچشمے جن کا تعلق وحی آسمانی سے ہے ان کا تعلق آخرت اور اصلاح روح سے ہے اور نفس کا تزکیہ وتہذیب ہی ان سے مقصود ہے مگر ان علوم کے حقیقی ثمرات ونتائج آخرت کی زندگی میں کماحقہ ظاہر ہوں گے اگرچہ ان کے برکات کا قدرے ظہور اس دنیا میں بھی ہو، اور علوم عقلیہ انسانیہ کا تعلق جسم وجسمانیات اور دنیا کی زندگی سے ہے، ان کے منافع کا تعلق بھی دنیوی زندگی اور عالم جسمانی سے وابستہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ ان علوم طبعیہ، سائنسی علوم وفنون کا اس زندگی میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ یہ علوم اور اُن کے ذریعہ حاصل ہونے والے نو بنو اکتشافات حق تعالیٰ کے کمال قدرت، کمال علم اور حقائق الٰہیہ کی معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں اس کارخانہ قدرت اور محیر العقول نظام کائنات میں حق تعالیٰ کی قدرت کے وہ رازہائے سربستہ ان کے ذریعہ منکشف ہوتے ہیں جو معجزات کا کام دیتے ہیں اور ایمان کامل، یقین محکم، طمانیت دل و دماغ اور رسوخ ایمانی جیسے عظیم اور حیرت انگیز ثمرات ان کی بدولت میسر آتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت منکرین وکافرین پر پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جو حضرات پہلے سے مشرف بہ ایمان ہیں، ان کے لیے تو یہ رسوخ ایمانی کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن جو لوگ سعادت ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان کے لیے نفس ایمان کا ذریعہ بھی نہیں بنتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سائنس دان حق تعالیٰ کے اس کارخانہ ملکوت میں اس حیرت انگیز نظام کے اسرار و غوامض پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، ایمان تو کیا حقیقی معنی میں وہ انسان بننا بھی نصیب نہیں ہوتا، جس کے پہلو میں دل اور دل میں رحم وعاطفۂ انسانیت ہو، یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے تمامتر سائنس دانوں کی یہ گوناگوں ایجادات آج نسل انسانی کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، تمام دنیا کو تباہی کے کنارے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات بھی خیال میں آگئی ہو گی کہ سب سے زیادہ مقدم روح کی اصلاح و تربیت ہے، اس کے بعد ہی یہ جدید علوم عصریہ مفید ہو سکتے ہیں۔

اب اس پر غور فرمائیں کہ تمام قدیم وجدید علوم کی تعلیم و تربیت اور ان علوم الٰہیہ کی ترویج واشاعت نیز علوم انسانی کی توسیع وہمت افزائی یہ کس کے ذمہ ہے؟ یہ ذمہ داری تمامتر اسلامی حکومتوں اور اسلامی حکمرانوں کی ہے۔ سوء اتفاق سے اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام حکومتیں اور حکمران درجہ بدرجہ اس ذمہ داری کے معاملہ میں مقصّر نہیں بلکہ مجرم ہیں، ظاہر ہے کہ اس تمام تعلیمی اور تجرباتی نظام سے تمام اُمت کو مستفید بنانے کے لیے حکومت کی سطح پر ہی کام ہو سکتا ہے اسی وجہ سے یہ مسلم ہے کہ تعلیمی میزانیہ فوجی میزانیہ سے زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن جب حکومتیں اس طرح کی مجرمانہ غفلت برت رہی ہیں تو علوم الٰہیہ کی۔ جو فرض عین ہیں یا فرض کفایہ۔ حفاظت، امت کے ذمہ ہی عائد ہوتی ہے۔ متحدہ ہندوستان میں جب مسلمان اسلامی حکومتوں کے سایہ سے محروم ہو گئے تو علماء دین اور عام مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو اپنا فرض سمجھ کر اس کی کماحقہ تدبیریں کیں۔ دین دار ارباب اموال سے مالی اعانتیں حاصل کر کے ان کی حفاظت کی اور آج تک الحمد للہ یہ سلسلہ ہندو پاکستان دونوں ملکوں میں قائم ہے اور آج ہزاروں مدارس دینیہ باوجود گوناگوں نقائص اور کمزوریوں کے کسی نہ کسی درجہ میں یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

صدمے کی بات ہے کہ تمام عربی اسلامی دنیا میں ابتدائی تعلیم کی بنیاد دین پر رکھی جا رہی ہے، دنیا کی ضروریات کو یقیناً تعلیم کا جزو بنا دیا گیا ہے لیکن ڈھانچہ دینی ہے چنانچہ ابتدائی مکاتیب حکومیہ (پرائمری اسکول) میں ہی مسلمان بچے بقدر ضرورت یعنی "فرض عین" دین سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن ہماری بدنصیب مملکت ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ دینی نہ بن سکا۔ اگر بچہ ابتدائی دینی مکتب میں یا اپنے گھروں میں والدین کے زیر سایہ دین نہ سیکھ سکا تو موجودہ اسکولوں، کالجوں کے دائرے میں وہ مسلمان کبھی نہیں بن سکتا، نہ فرائض دین سے واقف ہو سکتا ہے نہ عقائد اسلامیہ سے، یہ ہمارے اس تعلیمی نظام کا سب سے بڑا المیہ ہے جو ہمدردان ملت کی اولین توجہ کا محتاج ہے۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com